اسلام کا اقتصادی نظام

از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

(۵)

"زکوٰۃ" میں اقتصادی جدوجہد کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو لوگ کاہلی اور دون ہمتی کی بنا پر بیکاری کی زندگی گذارنا چاہتے ہیں اور تھوڑی یا بہت پونجی رکھنے کے باوجود ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے کے خوگر ہیں، یہ اجتماعی ٹیکس اُن کے لیے مہمیز کا کام دے اور وہ یہ سوچیں کہ ہمارا یہ سال جس کو قدرت نے نشوونما کی صلاحیت دی ہے دو چار سال میں ذاتی ضروریات اور "زکوٰۃ" کی نذر ہو کر نہ رہ جائے اور بمصداق حدیث:

الید العلیا خیر من الید السفلیٰ۔	(دینے والے کا) بلند ہاتھ (لینے والے کے) پست ہاتھ سے بہتر ہے۔

دوسروں کی طرح ہمیں بھی ایک روز غیر کا دست نگر نہ بننا پڑے یہ سوچ کر آگے بڑھیں اور ترقی مال کے لیے جائز سعی کریں اور اس طرح ہر شخص اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بنجائے یہاں تک کہ یہ اجتماعی ٹیکس ایک روز صرف "رفاہ عام" ہی کی ضروریات کے لیے رہ جائے اور صرف دینے والے ہاتھ ہی باقی رہ جائیں اور مانگنے والا ہاتھ ایک بھی باقی نہ رہے۔

فرضیت زکوٰۃ میں اسلام نے کن مصالح کا لحاظ رکھا ہے؟ فیلسوف اسلام ولی اللہ دہلوی اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:-

"واضح رہے کہ" زکوٰۃ" میں دو مصلحتوں کی رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے (۱) تہذیب نفس (۲) مدنی واجتماعی حاجات کا انسداد۔

تہذیب نفس سے مُراد یہ ہے کہ "مال" بخل، خود غرضی، جنسی عداوت اور جنسی بداخلاقیاں پیدا کرتا ہے، اور ان بداخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج "انفاق" یعنی صرفِ مال اور سخاوت ہے، اس سے بخل کا خاتمہ ہو جاتا ہے، خود غرضی مٹ جاتی ہے اور عداوت جنسی کی بجائے جنسی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی جنسی محبت اُن تمام اخلاقِ کریمانہ کی اساس وبنیاد ہے جو انسان کو حسن معاملت کا خوگر بناتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اخلاق حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے اور یہی تہذیب نفس ہے۔

زکوٰۃ مدنی واجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے اس لیے کہ مدنی نظام اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس نظام میں مضبوط "مالی نظام" موجود نہ ہو تاکہ اُس کے ذریعہ سے مدنی نظام کے اعلیٰ وادنیٰ عمال اور رعایا "پبلک" کی مناسب حال حاجات وضروریات کو پورا کیا جاسکے، نیز فقراء، مساکین، ضعفا، یتامیٰ، بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجتمند دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل ورسوا ہونے سے محفوظ رہیں، اور حکومت ان کی پوری کفالت کرسکے، اور یہ تمام مشترک ذمہ داریاں اسی طرح پوری ہوسکتی ہیں کہ منجملہ دیگر ذرائع آمدنی کے حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہل سرمایہ سے وصولِ زکوٰۃ کی شکل میں ہو۔

یہی وجہ ہے کہ فطرت وعقل سلیم کے تقاضہ کے مطابق اسلام نے اس ٹیکس کی چار شرطیں مقرر کی ہیں۔

(۱) جس مال سے" زکوٰۃ" لی جائے اُس میں نمو اور ترقی کی استعداد ہو۔ اور اُس کی

تین قسمیں ہیں۔ (ا) وہ جانور جو چراگاہوں میں اضافۂ نسل کے لیے پالے جا رہے ہوں (ب) زراعت (ج) تجارت۔

(۲) اُن سے لی جائے جو شریعت کی نگاہ میں اہل سرمایہ شمار ہوتے ہوں، جن کو قرآن عزیز میں "الذین یکنزون الذھب والفضۃ" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (یعنی نقد چاندی)

(۳) اُن اموال میں لی جائے جو لوگوں کو بغیر محنت و تعب کے آسانی سے حاصل ہو گئے ہوں، جیسے خزانہ کی دریافت یا جواہرات کی دریافت میں وہ اپنا مقررہ حصہ پائیں

(۴) اہل صنعت و حرفت کی صنعت و حرفت پر مقرر کی جائے۔

پھر اسلام نے موسمی حالات، اتفاقی حادثات، عام معاشی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے لیے ایک مدت معین کی، مقدار معین کی۔ نیز ضروریات و حاجات عامہ کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا۔

اس تفصیل سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے اس فریضہ میں مدنی و اجتماعی اقتصادی حالات کی بہتری کا کس قدر خیال رکھا ہے بلکہ اس کی بنیادی غرض دو امور پر قائم کی۔ انفرادی تہذیب نفس اور اجتماعی اقتصادی فلاح و بہبود[1]۔

دنیا کے تمام مذاہب، ابنائے جنس کی خدمت اور حاجتمندوں کی اعانت کی ترغیب و تعلیم دیتے ہیں لیکن یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اُس نے صرف تلقین و تعلیم ہی نہیں کی بلکہ اُس کے ساتھ ہی ایک سالانہ ٹیکس کا اصول قائم کر دیا جو اس ضرورت کو پورا کرے، اور اس کو اس درجہ اہم قرار دیا کہ نماز کے بعد اُس ہی کا درجہ رکھا گیا اور قرآن عزیز میں دونوں کو ایک ہی فہرست میں گن کر اُس کو بھی ایمان کی علامت قرار دیا۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲۔ ابواب زکوٰۃ۔

هدى وبشرى للمومنين الذين يقيمون الصلوة ويؤتون الزكوة (نمل)
ہدایت اور بشارت کا پیغام ہے ان کے لیے جو مومن ہیں کہ جن کے ایمان کی علامت یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اسی لیے مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں صحابہ کے عظیم الشان مجمع میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا اور جمہور صحابہ نے اُس پر صاد کیا تھا۔

والله لاقاتلن من فرق بين الصلوة والزكوة (بخاری۔ کتاب الزکوۃ)
بخدا میں ضرور اُن سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کر رہے ہیں۔

نیز اس بارہ میں اسلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اُس نے زکوٰۃ کی علت کو ان صاف الفاظ میں بیان کر کے

كى لا يكون دولة بين الاغنياء منكم
تاکہ یہ نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولتمندوں کے گروہ ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔

یہ بھی بتا دیا کہ اُس کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں تقسیم ہو، کسی ایک گروہ کی اجارہ داری میں ہو کر ہی نہ رہ جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کے لیے حضرت معاذ بن جبل کے جواب میں اپنے نامۂ مبارک میں ارشاد فرمایا

تؤخذ من اغنيائهم وترد الى فقرائهم (ترمذی)
(زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ) اُن کے مالداروں سے وصول کی جائے اور اُن کے محتاجوں پر تقسیم کر دی جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ "زکوٰۃ" عام خیرات کی طرح نہیں ہے، بلکہ وہ سرکاری انکم ٹیکس کی طرح ایک "ٹیکس" ہے۔ جو موجودہ ٹیکسوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہے اور جو صرف ما

بار کی آمدنی کی کمی وبیشی ہی پر واجب نہیں ہوتا بلکہ اُس اندوختہ پر بھی واجب ہوتا ہے جس پر سال موجودہ میں کسی نئی آمدنی کا اضافہ تک نہ ہوا ہو، اور اس قسم کی تمام ملکیتوں پر عائد ہوتا ہے جن میں بڑھنے کی استعداد موجود ہو۔

بہرحال زکوٰۃ اجتماعی نظام کا ایک خاص اور اہم مالی جزء ہے۔ اسی لیے اُس کے وصول کرنے کا حقیقی اور اصولی طریقہ حکومت کے نظم و انتظام کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے یعنی اُس کے وصول کا معاملہ حکومت کے ہاتھ میں ہو۔ حکومت اپنے گورنروں اور تحصیلداروں کے ذریعہ سے اُس کو وصول کرے اور بیت المال میں داخل کرکے اس کے صحیح مصارف کے مواقع میں خرچ کرے۔

عَن ابن عمر قال " ادفعوا الزکوة الی الامراء، فقال لہ رجل انہم لا یضعو نہا مواضعہا فقال: وان "	حضرت عبداللہ بن عمر کا فرمان ہے کہ زکوٰۃ "امراء" کو ادا کرو۔ ایک شخص نے کہا کہ امراء و خلفاء تو اس کو صحیح مصرف میں صرف نہیں کرتے آپ نے جواب دیا" اس کے بعد پھر بھی اُنہی کو ادا کرو۔
عَن ابن عمر قال ما اقاموا الصلوۃ فادفعوہا الیہم۔	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک خلفاء نماز ادا کرتے رہیں تم اُنہی کو زکوٰۃ ادا کرتے
عن ابی صالح قال سئلت سعد بن ابی وقاص وابا ہریرۃ وابا سعید الخدری وابن عمر فقلت ان ہذا السلطان یصنع ما ترون، افادفع زکوٰتی الیہم	ابو صالح کہتے ہیں، میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ یہ حاکم جو بے عنوانیاں کر رہے ہیں آپ کے پیش نظر ہیں کیا ایسی حالت میں بھی ہم ان ہی کو زکوٰۃ ادا کریں

قال فقالوا کلھم: ادفعھا سب نے متفقہ آواز سے کہا کہ ضرور ان ہی کو ادا کرو

الیہم (ابوداؤد، مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی) (اس لیے کہ اجتماعی زندگی کے لیے یہی ازبس ضروری ہے)

اور زکوٰۃ کا موجودہ طریقۂ ادا، و طریقۂ وصول اُن ہی مجبوریوں کی ایک کڑی ہے جو اسلامی نظام امارت کے فقدان سے پیدا ہوئی ہیں اور جس کا پورا کرنا ہر مسلمان کا دینی و مذہبی فریضہ ہے اس لیے کہ اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت کا وجود اسباب ظاہری کے اعتبار سے ناممکن الحصول ہوگیا تھا تو یہ تو ہر وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا کہ وہ بیت المال کے قیام اور اجتماعی مذہبی امور کے انتظام کے لیے اپنا ایک امیر مقرر کرلیتے۔

یہ واقعہ ہے کہ افراد کی سخاوتیں، اُن کی فیاضیاں وقتی طور پر کتنی ہی بیش از بیش کیوں نہ ہوں، ملت اور قوم کے اجتماعی نظام کی تکمیل کو ہرگز ہرگز پورا نہیں کرسکتیں کیونکہ اگر سرمایہ دار اور سالدار افراد کے عطیات اور انجمنوں کے قیام و نظام سے اقتصادی مسئلہ حل ہوسکتا تو امریکہ اور یورپ میں کبھی کا حل ہوگیا ہوتا۔ جہاں دولتمندوں کی دولت کے بے شمار انبار ہیں اور جنہیں قومی نظام کے لیے انجمن سازی کا بہتر سے بہتر شعور ہے مگر حقیقت سامنے ہے کہ اُن کا قومی نظام اور قومی سرمایہ کسی طرح بھی پست و متوسط طبقوں کی بیکاری اور افلاس کا انسداد نہ کرسکا اور نہ عملی طور پر اس کا کوئی حل سوچ سکا

پس اس صورتِ حال کا کوئی بہترین اور صحیح علاج ہوسکتا تھا تو وہ وہی ہے جس کو اسلام نے تجویز کیا، کہ قانون کے ذریعہ متمول افراد قوم کی پوری کمائی کا ایک معین حصہ کمزور اور پست افراد کی اجتماعی اور اقتصادی بہتری کے لیے مخصوص کردیا، اسی کا نام زکوٰۃ ہے

صدقات | زکوٰۃ کے علاوہ "صدقات" کی اسلامی اصطلاح اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ اسلام "دولتمند" کو انکم ٹیکس (زکوٰۃ) لینے کے بعد بھی قومی و اجتماعی انفاق کی ذمہ داری سے

سبکدوش نہیں کرتا بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ انفاق کے لیے دوسری راہیں بھی کھولتا ہے اور اُن کو صدقات سے تعبیر کرتا ہے۔

صدقات کی یہ ذمہ داری دو حصّوں پر تقسیم کی گئی ہے۔ ایک انفرادی یعنی کسی متمول فرد کا کسی حاجتمند کی حاجت روائی کے لیے بطور خود انفاق کرنا، موجودہ اقتصادی بحث میں اس قسم سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری اجتماعی یعنی زکوٰۃ کی طرح قوم کی اجتماعی اقتصادی حالت کی بہتری اور حاجتمندوں کی حاجت کے انسداد کے لیے بذریعہ حکومت خرچ کرنا مثلاً صدقۃ الفطر، جہاد اور رفاہ عام کے اہم مواقع میں بیت المال کے علاوہ فنڈ کی فراہمی وغیرہ۔

اس مقام کے مباحث میں بعض علماء کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ مسلمان دولتمند طبقہ پر زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر کے علاوہ "انفاق" کا کوئی شرعی مطالبہ عائد نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور جس نے بھی ایسا کہا ہے قلت تدبر کی بنا پر کہا ہے۔

اسلام نے "مسلمان کی زندگی" اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی شکم پری ہی تک محدود نہیں کی ہے۔ بلکہ خاندانی، معاشرتی، اجتماعی اور انسانی فرائض کی ادائگی تک اس کو وسیع کیا ہے

واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئاً	اور اللہ ہی کی پرستش کرو اور اُس کا کسی کو ساجھی
وبالوالدین احساناً، وبذی	نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ حُسن سلوک کرو
القربیٰ والیتامیٰ، والمساکین	اور رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں، قریبی ہمسایوں،
والجارِ ذی القربیٰ والجار الجنب	اور اجنبی ہمسایوں، پاس بیٹھنے والوں مسافروں،
والصاحب بالجنب، وابن	اور غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔
السبیل وما ملکت ایمانکم (والمحصنٰت)	

الذین ینفقون اموالھم باللیل — جو لوگ اپنے کو رات کی تاریکی اور دن
والنھار سرًّا وعلانیۃ فلھم — کی روشنی میں پوشیدہ اور کھلے طور اپنا مال خرچ
اجرھم عند ربھم — کرتے ہیں، یقیناً اُن کے پروردگار کے پاس
(تلک الرسل) — اُن کا اجر ہے۔

غرض اجتماعی اور اقتصادی نظام میں دولتمند کے ذمہ زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی "انفاق" کی ذمہ داریاں اسلام نے عائد کی ہیں اور اُن کے ذریعہ متوسط اور پست افرادِ ملت کی خوشحالی اور انسداد افلاس کا انتظام کیا ہے اور اس کے لیے بھی امام، امیر یا خلیفہ کو قانون سازی کا حق دیا ہے، اسی طرح رفاہ عام اور اجتماعی ضروریات کے لیے بھی اس پر ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں مگر ان تمام امور میں یہ شرط ہے کہ متمول افراد کی استطاعت اور مقدرت کا لحاظ رکھنا از بس ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ ذمہ داریوں کا یہ بوجھ اُن کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے اور انفاق پر اقدام کی بجائے وہ خود دوسروں کے دست نگر بن کے رہ جائیں۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ سقوطِ حکومت کے بعد موجودہ حالات میں بھی دولتمند مسلمان اگر اپنی ان شرعی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور صرف "زکوٰۃ" "صدقات" کے لیے کسی امیر یا کسی معتمد انجمن کے زیر نگرانی بیت المال قائم کر کے اسلامی فنڈ قائم کر دیں تو متوسط اور پست طبقوں کی اقتصادی بدحالی کے انسداد اور خوشحالی و ترقی کے اقدام کے لیے تنہا یہی بہت کافی ہے اور نہ صرف یہ بلکہ مذموم سرمایہ داری کو تباہ کرنے والی جماعتوں، اور گروہوں کو بھی دعوت عمل دینے اور صحیح راہ، اور مفید حل بتانے کے لیے اکسیر و تریاق ہے۔

تجارت کی ترغیب

اقتصادی نظام کی ترقی و برتری کا راز سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے جو قوم یا ملک جس قدر اس سے دلچسپی لیتی ہے وہ اُسی قدر اپنی اقتصادی بہبود کی

یادہ کفیل بنتی ہے جس قوم یا جس ملک کے باشندے تجارت سے دلچسپی نہیں رکھتے وہ اقتصادی غلام میں ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے، اور اسی راہ سے دوسری اقوام اُن کے تمدن تہذیب اقتصاد اور سیاست بلکہ مذہب پر قابض ہوجاتی ، اور اُن کو غلام بنا کر مطلق العنانہ حکومت کرتی ہے۔ ہندوستان جیسا بڑا ملک، اور ایشیا و یورپ کے دوسرے چھوٹے بڑے ممالک آج غیروں کے استبداد اور مظالم کے شکار اسی راہ سے ہوئے ہیں۔ انگریزوں کے ہاتھ میں ہندوستان تجارت کی راہ سے آیا، مصر پر اسی اجارہ داری کے نام سے قبضہ کیا گیا، ایران کی سابقہ غلامی تیل کی تجارت ہی کی رہین منت تھی اور آج بھی اسی راہ سے اس کے نیم غلام رہنے کا خوف لگا رہتا ہے۔ عراق و شام پر قبضہ کی تہ میں یہی اصول کار فرما ہے۔ موصل کے چشمے اور دمشق کی کانیں ظاہر ہونے سے پہلے "ماہرین دریافت" کی بیاحانہ تگ و دو کا نتیجہ آخر وہی ہوا جو معاشی دستبرد کی صورت میں ظالم طاقتوں کی جانب سے ہوا کرتا ہے۔

جرمنی اسی تجارت کے فروغ، اور اپنی قوم کی اقتصادی و معاشی ترقی کی ہی خاطر نوآبادیات کا بھوکا ہے، اور آہستہ آہستہ اُن کو ہضم کرتا جاتا ہے، اٹلی نے حبشہ کو اسی کی خاطر تباہ و برباد کیا، اور ہسپانیہ کی تباہی و بربادی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ مشرق بعید میں جاپان کے چین پر بے پناہ مظالم اسی داستان کا ایک ورق ہیں، اور فلسطین کی سفاکانہ تباہی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔

غرض شرق و غرب اور ایشیا و یورپ کی موجودہ جنگ و پیکار اور ہوس ملک گیری غیر مہذب ممالک کو مہذب بنانے کے لیے وجود پذیر نہیں ہوئی بلکہ تجارتی منڈیوں کے اضافہ اور اپنے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لیے مظلوموں پر معاشی دستبرد کی خاطر عمل میں لائی جا رہی ہے۔

پس اس معاشی دستبرد سے بچنے، غلامی کی لعنت سے محفوظ رہنے اور اپنے معاشی و سیاسی حالات کو مضبوط و مستحکم بنانے کی یہی ایک صورت ہے کہ اپنی تجارت کو فروغ دیا جائے اور جائز ذ

منصفانہ نقطۂ خیال سے اس سلسلہ میں بیش از بیش ترقی کی جائے۔

جس قوم میں تجارت نہیں ہے وہ آج نہیں تو کل ضرور غلام بن کر رہیگی اور جو ملک تجارت کی برکتوں سے محروم ہے وہ صبح نہیں تو شام تک ضرور قعر ہلاکت میں گر کر تباہ ہو جائیگا۔ اسلام نے اسی لیے بار بار تجارت کی ترغیب دی اُس کے فضائل و برکات سُنائے، دنیوی فوائد بتائے اور دینی بشارتیں سُنائیں۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا	جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔
فی الارض وابتغوا من فضل	اور اللہ کے فضل (مال تجارت و رزق) کو تلاش
اللہ (جمعہ)	اور حاصل کرو۔

یہاں "فضل" سے مراد طلب رزق و مال ہے اور آیت کا شان نزول ترغیب تجارت کا حامل ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے اور
وسلم التاجر الصدوق الامین	امانتدار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں
مع النبیین والصدیقین والشہداء (ترمذی)	کے ساتھ ہوگا۔
لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل	اپنے مالوں کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ
الا ان تکون تجارۃ عن تراض	کھاؤ بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ
منکم۔ (نساء)	سے نفع حاصل کرو۔

مشہور تابعی مفسر مجاہد قرآن عزیز کی آیت کے جملہ "ما کسبتم" میں کسب سے مراد تجارت[1] ہی لیتے ہیں۔

کنز العمال کی ایک روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تجارت کرتا ہے اُس کے یہاں خیر و برکت اور رفاہیت پیدا ہوتی ہے[2]۔

[1] بیہقی کتاب البیوع جلد ۵۔ [2] کتاب البیوع باب کسب الحلال

صنعت وحرفت اسی طرح اقتصادی نظام کے استحکام میں قومی صنعت وحرفت کو بھی نمایاں دخل ہے اور تجارت کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت کی برکات بھی بہت زیادہ ہیں بلکہ یہ خود تجارت کا ہی ایک اہم حصہ ہے، اور تجارت کا بہت بڑا مدار اسی کی ترقی پر ہے۔

اسلام کا ابتدائی دور "مشینوں" کا دور نہ تھا اس لیے اس ذریعہ سے صنعت وحرفت کی جو ترقیاں ہو رہی ہیں اُن کا تذکرہ "ملوں اور کارخانوں" کی بحث میں ہو چکا مشینیں جن صنعتی اغراض کے لیے بھی استعمال کی جائیں، اور استعمال کے جو طریقے بھی اس دور ترقی میں ایجاد ہیں اور آئندہ ایجاد ہونے کی توقع ہے اُن کے لیے اسلام کے اقتصادی نظام میں اساسی و بنیادی احکام وہی ہیں جو گذشتہ اوراق میں مذکور ہو چکے لیکن دستی مصنوعات اور دستی کاروبار کے لیے اسلام نے ترغیبات کا سلسلہ بھی رکھا ہے اور اُس کی انواع واقسام اور بعض جزئی تفصیلات تک کا بھی ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ معاشی زندگی کی ترقی میں مرغوب اور پسندیدہ جدوجہد یہی عمل ہے۔

عن المقدام عن النبی صلی اللہ	مقدام کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم قال ما اکل احد	نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا
طعاماً قط خیراً من ان یاکل	نہیں ہے۔ اور حضرت داؤد نبی اپنے ہاتھ کی
من عمل یدہ وان نبی اللہ داؤد	کمائی کھاتے تھے۔
علیہ السلام کان یاکل من عمل یدہ (بخاری)	

حضرت داؤدؑ زرہ بناتے اور جنگ کے لیے لوہے کی قمیص کی صنعت کا کام کرتے تھے حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

عن خالد ابی بردہ قال سئل	خالد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	پوچھا گیا کہ انسان کے لیے کسب معاش کا کونسا

ای کسب الرجل اطیب قال زریعہ بہتر ہے۔ فرمایا دستکاری
عمل الرجل بیدہ الخ (بیہقی جلد۵)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام سینے کا اور حضرت ادریس علیہ السلام کپڑا بننے کا کام کیا کرتے تھے۔ اور اُسی سے معاش پیدا کرتے تھے۔[1]

اسلام سے پہلے "قریش" اگرچہ تجارت کے خوگر تھے اور سورۂ "ایلاف" میں گرمی و سردی کے کاروانِ تجارت کی آمدورفت کا اسی لیے تذکرہ کیا گیا ہے۔ تاہم اس کے علاوہ بھی بعض دوسرے ذرائع آمدنی اُن کی معاش کا ذریعہ تھے، بلکہ بعض اوقات وہ اُن کو تجارت پر بھی ترجیح دیتے تھے یعنی "جوا" غارت ولوٹ اور سودی لین دین۔

اسلام نے اِن غلط راہوں کو بند کرکے صرف جائز طریقۂ تجارت کو باقی رکھا اُس کی ترغیب دی، اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بُصریٰ کی منڈی میں حضرت خدیجہ کے مال کی خرید و فروخت فرمائی، اور اس طرح اپنے پیروؤں کے لیے اسوۂ حسنہ بن کر اُن کو بااخلاق تاجر بنایا، بُننے، سینے، جوتیاں بنانے، برتن بنانے اور اسی قسم کی گھریلو ضروریات کو خود تیار کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی، عورتوں کو کاتنے کی ترغیب دی تو مردوں کو بُننے کی تلقین کی اور اس طرح دستکاری سے روزی کمانے کو دنیوی فلاح بھی بتایا اور اُخروی شادکامی کی بشارت سے بھی نوازا۔

اسلام نے اس بارہ میں بھی صرف ترغیبات اور ضروری اصلاحات ہی تک اپنی رفتار کو محدود نہیں رکھا بلکہ تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے ذرائع کو وسیع کیا، اور خلافت راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دورِ حکومت میں عرب سے باہر ایران، شام

---

[1] کنز العمال باب کسب الحلال۔

عراق، مصر اور روم میں تجارتی منڈیاں قائم کیں اور اُن کی ترقی کے لیے بہتر سے بہتر سہولتیں مہیا کیں۔

تجارت وصنعت کے عملی وسائل مادی ترقی کے اس دور میں تجارت وصنعت کی ترقی وکامیابی میں دو چیزوں کا بہت دخل ہے (۱) شرح تبادلہ (۲) محصولات درآمد و برآمد

اسلامی اقتصادی نظام کے دور اول میں ان میں سے پہلی چیز کا وجود نہیں تھا۔ اس لیے کہ اُس زمانہ کی تجارت بیشتر اشیا سکے بدلہ میں اشیا ہی کے ذریعہ ہوا کرتی تھی، اور کہیں کہیں ٹکسالی سکہ کی جگہ چاندی اور سونے کی غیر مسکوک ڈلیوں کے ذریعہ لین دین ہو جایا کرتا تھا اس لیے تبادلۂ سکہ جات کے جو اثرات آج کل کی تجارت پر پڑتے ہیں اور اقتصادی فلاح و بہبود یا تباہی و بربادی لاتے ہیں اُس زمانہ میں اُن کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ البتہ دوسری چیز یعنی درآمد و برآمد پر محصول کا سسٹم اُس زمانہ میں بھی رائج تھا۔

ایک قومی اور مُلکی حکومت کا فرض تو یہ ہے کہ وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی تجارتی ترقی کے لیے شرح مبادلہ اور محصولات کو اس طرح قائم کرے جس سے نقصان کی بجائے فائدہ اور ناکامی کی جگہ کامیابی کے ساتھ ملک مالا مال ہو۔ چاہے دوسرے ممالک اور دوسری اقوام کو اس کی وجہ سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ اُٹھانا پڑے۔

لیکن چونکہ اسلام عالمگیر پیغام ہے اور وہ اخوت عالم کا سب سے بڑا علمبردار ہے اس لیے اس معاملہ میں وہ ایسے ترجیحی سلوک کا قائل نہیں ہے جس سے ملکوں اور قوموں کے درمیان تجارت کے نام سے معاشی دستبرد اور تجارتی حسد و بغض پیدا ہو اور نتیجہ میں ایک کی غلامی اور دوسرے کی آقائی یا ایک کی خوشحالی اور دوسرے کی تباہی ظاہر ہو۔ اس لیے اس نے تجارت کے محصولات کے بارہ میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے دوسروں کو

نقصان پہنچے اور درآمد و برآمد پر اس قسم کی پابندیاں نہیں عائد کیں جو اس مہذب دور کی حکومتوں نے استحصال بالجبر کے لیے نکال رکھی ہیں۔ اُس نے تو فطری تقاضہ کے مطابق یہی فیصلہ کیا کہ تجارت آمدنی کے ذرائع میں سے ایک بہترین ذریعہ ہے لہذا اس کو اپنے اور پرائے کا فرق کیے بغیر ٹیکسوں اور محاصل سے معاف رکھا جائے تاکہ خدا کی کائنات کے مختلف حصوں کی مخصوص اشیاء دوسرے حصوں میں آسانی کے ساتھ لی دی جا سکیں اور خدا کی تمام مخلوق محبت اور پریم کے ساتھ ایک دوسرے کا تعاون حاصل کر سکے اور خالقِ کائنات کی یہ ساری کائنات ایک برادری اور ایک ہی کنبہ بن جائے لیکن جب تک یہ صورت حال نہ پیدا ہو اُس وقت تک اپنی جماعتی زندگی کی فلاح کے لیے مساویانہ سلوک پر عملدرآمد کیا جائے۔ لہذا فاروقِ اعظم رضی اللہ کے زمانہ میں جب عراق اور شام کے گورنروں نے یہ اطلاع دی کہ نصاریٰ و یہود کے ممالک میں جب مسلمان تاجر جاتے ہیں تو اُن سے مال تجارت پر محصول لیا جاتا ہے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ حکم دیا کہ جس حساب سے وہ ہمارے تاجروں سے محصول لیتے ہیں جب ہمارے ملکوں میں وہ مال تجارت لے کر آئیں تو اُسی حساب سے اُن سے بھی محصول لیا جائے اور اس کا اصطلاحی نام "عشور" رکھا۔

وکان مذھب عمر فیما وضع	حضرت عمر کا یہ مذہب ہے کہ وہ مسلمانوں سے زکوٰۃ
من ذلک انہ کان یاخذ	لیتے تھے اور اہل حرب سے عشور وصول کرتے تھے
من المسلمین الزکوٰۃ ومن	اس لیے کہ حربی حکومتوں کا یہ دستور تھا کہ جب
اھل الحرب العشر تاما لانھم	مسلمان تاجران کے ملکوں میں جاتے تو اسی طرح
کانوا یاخذون من تجار	کا محصول وہ ان سے وصول کرتی ہیں۔
المسلمین مثلہ اذا قدموا بلادھم[1]	

[1] کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۳۱۔

اوراس کے باوجود حضرت عمر کا یہ فیصلہ تھا کہ ایک تاجر سے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ لیا جائے خواہ وہ سال کے اندر متعدد بار مال درآمد کیوں نہ کرے۔ نیز پھلوں پر محصول معاف تھا۔

ان دو بیان کردہ امور کے علاوہ خلافت اسلامیہ نے دوسرے طریقوں سے بھی تجارت کو فروغ دیا، اور اقتصادی حالت کو ترقی دینے کی راہ اختیار کی۔

(۱) اسلام سے پہلے عرب کی تجارت کا بہت بڑا تعلق مصر، روم، ایران اور ہندوستان کے ساتھ تھا، اوراس کے لیے انہوں نے حسب ذیل مقامات میں منڈیاں قائم کر رکھی تھیں۔

دومۃ الجندل، مشقر، ہجر، صحار، ریا شحر، عدن، صنعار، رابیہ، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز بصری[۱]

اسلامی خلافت نے بھی ان کو باقی رکھا اور جلیل القدر صحابہ نے خود کاروبار کیا، اور قرآنِ عزیز نے وابتغوا من فضل اللہ کہہ کر اُس کو اور زیادہ مضبوط بنا دیا، مدینہ طیبہ کے مقام سلع میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کپڑے کا گودام اور کارخانہ تھا[۲] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجارت کا تعلق ایران تک وسیع تھا[۳] حضرت زبیر کی بھی کپڑے کی تجارت تھی اور وہ شام کے ساتھ بیوپار کرتے تھے۔ خاص حجاز میں "عکاظ" کی منڈی ۱۲۹ھ تک قائم رہی۔

حضرت عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کا تجارتی کاروبار حبشہ میں نجاشی اوراس کے اعیان سلطنت کے ساتھ چلتا تھا[۴] اوراس طرح بیشتر صحابہ تجارتی کاروبار میں مشغول تھے۔

اسلام سے پہلے اور اسلام کے زمانہ میں اہل عرب کی تجارتی برآمد میں سونا، چاندی تانبا، موتی، لوہا، جواہرات، خوشبوئیں، کھانے کا مسالہ، چمڑا، کھال، زین پوش، بھیڑ اور بکری

[۱] الاسلام والحضارۃ العربیہ ص ۱۱۶ [۲] ابن سعد۔ ج ۳۔ ص ۱۳۱۔ الحضارۃ العربیہ ص ۱۵۲۔
[۳] مسند احمد جلد ۱۔ ص ۶۲۔ الحضارۃ العربیہ ص ۱۵۲۔ روض الانف ج ۲ [۴] اغانی جلد ۸ ص ۵۲۔

تھے۔ اور درآمد میں دوسرے ملکوں سے کپڑا، غلہ، ہتھیار، آئینہ، اور دوسری آرائش کی چیزیں، مشک، سیاہ مرچ، عود ہندی، قسط ہندی، تمر ہندی، کافور، زنجبیل، صندل، ناریل اور لونگ وغیرہ اشیا تھیں۔

اسی طرح مدینہ طیبہ میں یہود کی تجارتی منڈیاں، اور صنعت و حرفت کے کارخانے تھے انصار مدینہ نے صنعت و حرفت کا کام ان ہی سے سیکھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اُنہی کے ہاتھ میں یہ کام آگیا۔ یہود نے ان کو کپڑا بننا، رنگ سازی، تلواریں بنانا، زرہ بنانا، آلات جنگ بنانا، اور کاشتکاری کا کام سکھایا۔

ان تفصیلات کے ذکر سے یہ مقصد ہے کہ تجارت اور صنعت و حرفت جو اقتصادی نظام کی جان ہے اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا، اور اُس کو فروغ دینے اور کامیاب بنانے میں امکانی کوشش کی۔ بلکہ اسلامی حکومت نے کہ جس کا ابتدائی مرکز حکومت سرزمین حجاز تھا، تجارت و صنعت و حرفت ہی کو اقتصادی زندگی کا سب سے بڑا ذریعہ تسلیم کیا اور اسلامی روایات نے مذہبی بشارات کے ساتھ اُس کی پُر زور تائید کی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی نظامِ حکومت نے تجارت کے بارہ میں نظریہ قائم کرلیا کہ تجارت و صنعت سخت پابندیوں، سخت ڈیوٹیوں، اور سخت محصولات سے آزاد ہونی چاہیے۔ تاکہ دنیا میں عام خوشحالی اور فارغ البالی پیدا ہو اور ہر شخص کو سامانِ معیشت مہیا کرنے میں آسانی ہو۔ تہذیب کے اس دور جدید میں دنیا کی خوشحالی اور انسانوں کی فارغ البالی کے لیے کیا کیا سامان فراہم کیے گئے ہیں اور اقتصادیات کو مستقل علم و فن بنانے کے مدعیوں نے دنیا کی اقتصادی بدحالی کو کس حد تک دور کیا ہے؟ اس کا جواب مجھ سے زیادہ آپ دے سکتے ہیں۔ (باقی)